پنبہ کُجا کُجا نہم

پروفیسر راجہ محمد اسلم خان۔ ایم اے

شعبہ نشرو اشاعت

تنظیم الاخوان پاکستان

۴۸۔ شاہراہ قائد اعظم۔ لاہور

امیر تنظیم الاخوان پاکستان' جناب امیر محمد اکرم اعوان کا تعلق منارہ ضلع چکوال سے ہے۔ آپ ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ ایک باعمل مسلمان' صوفی کامل اور اس قافلہ کے سپہ سالار ہیں جو نفاذ اسلام کے لئے وطن عزیز میں تشکیل پا رہا ہے۔ آپ کردار کی مضبوط بنیادوں پر استوار ایک چٹان ہیں۔ آپ کے اندر تدبر صدیق رضی اللہ عنہ' استقامت عمر رضی اللہ عنہ' سخاوت عثمان رضی اللہ عنہ اور علم و شجاعت علی رضی اللہ عنہ کی جھلک با آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں۔ جو آپ کی صحبت میں چند لمحے گزار لیتا ہے قوت ایمانی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے بعض پہلو بہت ہی نمایاں ہیں۔ مثلاً"

۱۔ آپ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ عشق آپ کی زندگی کا اہم جزو ہے۔

۲۔ آپ ایک بلند پایہ مفسر قرآن ہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی قرآن کی تفسیر دس جلدوں میں آسان' سادہ' اور دلنشیں پیرائے میں اسرار التنزیل کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہے۔

۳۔ آپ صقارہ نظام تعلیم کے بانی ہیں جس کے تحت لاہور اور منارہ ضلع چکوال میں دینی اور دنیوی تعلیم کے امتزاج سے آراستہ اسکول اور کالج بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں۔

۴۔ آپ نے الفلاح فاؤنڈیشن کے نام سے ایک فلاحی ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ جو شمالی علاقہ جات اور ملک کے دوسرے دور دراز علاقوں میں ضرورت مندوں کی خدمت میں مصروف ہے۔

۵۔ آپ ایک صاحب طرز اور نامور ادیب صوفی شاعر اور دانشور کی حیثیت سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ دو جلدوں میں آپ کا سفرنامہ غبار راہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے صوفیانہ کلام پر مبنی شاعری کے پانچ مجموعے گرد سفر' نشان منزل' متاع فقیر' آس جزیرہ اور دیدہ تر کو عوامی اور خاص طور پر ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہو چکی ہے۔

۶۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا ترجمان ماہنامہ المرشد آپ کی دینی' مذہبی' سماجی' سیاسی رہنمائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۷۔ آپ کی تقاریر اور مضامین کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

آپ دنیا کے ایک مسلمہ اور بہت بڑے سلسلہ کے شیخ ہونے کے باوجود روائتی پیر نہیں۔ آپ نے تصوف جیسی نعمت عظمیٰ کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کی بجائے دین کی خدمت اور نفاذ اسلام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ آپ نے تصوف کو خانقاہ کی گوشہ نشینی سے نکال کر دین اسلام اور اس کے ماننے والوں کے لئے وقف کر دیا ہے۔ یہ عالم اسلام کی تاریخ میں کئی صدیوں پر محیط عرصہ میں ایک انوکھا اور منفرد واقعہ اور تجربہ ہے۔

پوری دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں بندگان خدا آپ سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ آپ سے ملنے کے بعد علامہ اقبال مرحوم کے مرد مومن کا صحیح تصور نہ صرف سمجھ میں آ جاتا ہے بلکہ ان کے اس فلسفہ پر بھی یقین آ جاتا ہے کہ "نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں" آپ کی روحانی ہستی کی کچھ عکاسی اس شعر سے ہوتی ہے ۔

رحمت کے چشمہ سے تو اک بہتے دریا کی مانند ہے
ان کی قسمت جاگ اٹھتی ہے سیراب ہوتے ہیں جو انسان

آپ کی ذکر کی ایک ہی محفل میں گناہ کی تلخی اور نیکی کی لذت دوبالا ہو جاتی ہے۔ آپ خارجی تبدیلی کی بجائے داخلی تبدیلی یعنی کہ اصلاح قلب کو ہی انقلاب کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ آپ ملک میں رائج مغربی جمہوریت کو کافرانہ نظام قرار دیتے ہیں اور اسے ہی کفر' الحاد' فرقہ پرستی' مغرب پرستی' ناانصافی' لاقانونیت' لسانی' گروہی' علاقائی اور سیاسی تعصبات' جرائم' لوٹ مار' گرانی' خودغرضی اور نفس کی غلامی کی سب سے بڑی وجہ قرار دیتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب تک ہم اپنی ذاتی' خاندانی اور اجتماعی زندگیوں کو دین کے تابع نہیں کرتے بنی نوع انسان کی بد نصیبی میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔ آپ موجودہ نظام کو سراسر برائی قرار دیتے ہیں اور آپ کے خیال میں اور دین کی روح کے مطابق اس برائی کو برداشت کرنا اس میں شامل ہونے کے مترادف

ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ بندگان خدا کو اس کی اذیتوں اور مظالم سے نجات حاصل ہو سکے۔

آپ اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے علم بردار ہیں اور صرف ذات باری کو ہی سپر پاور مانتے ہیں اور بقول علامہ اقبال۔

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

☆ ☆ ☆

جب کبھی ملک و قوم پر مشکل وقت آیا تو ہم پکار اٹھے کہ یہ ملک قائم رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے ورنہ یہ شب قدر' ستائیس رمضان المبارک بروز جمعتہ المبارک' نزول قرآن کے انتہائی بابرکت موقع پر وجود میں نہ آتا۔ ملک بنانے والے اکابرین کا بھی یہی خیال تھا کہ پاکستان کو مضبوط بنا کر ہندوستانی مسلمانوں کی رہائی کی صورت پیدا کی جائے گی۔ چہ جائیکہ ہم اپنا ہی آدھا ملک دشمن کے ہاتھوں ہار بیٹھے اور باقی کا آدھا پھر لاقانونیت' جرائم' گرانی' بے روزگاری' بدامنی' لسانی' نسلی' علاقائی اور مذہبی تعصبات کی لپیٹ میں دے دیا۔

ہم نے حکومتیں بہت بدلیں مگر نظام بدلنے کی قطعی طور پر کوئی کوشش نہ کی۔ بلکہ ہم بھول گئے کہ پاکستان کیوں وجود میں آیا۔ نظریہ پاکستان کیا تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ کیوں لگایا گیا۔ نیز نظریہ پاکستان اور اس نعرہ میں کون سا جادو تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے بائیس لاکھ جانوں کا نذرانہ پیش کرنے میں عار محسوس نہ کی۔ خیر اتنی بڑی قربانی کے علاوہ مصائب کے سمندر عبور کئے اور انتہائی دکھ کی بات ہے کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق چوراسی ہزار مسلم خواتین ہندوؤں اور سکھوں نے چھین لیں۔ کروڑوں مسلمان گھربار چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

ہر سال ۱۴۔ اگست آتا ہے ہم چراغاں' آتش بازی اور مبارکبادوں کے بعد پھر گہری نیند سو جاتے ہیں۔ اک بار پھر ہم بھول جاتے ہیں کہ پاکستان مقصد نہیں تھا بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ تھا اور وہ مقصد اس میں نفاذ اسلام تھا۔ نظریہ پاکستان اور پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ بھی تبدیلی نظام کا اعلان تھا۔ ورنہ انگریز تو برصغیر میں آیا ہی جانے کے لئے تھا۔ اور اگر انگریز کے دیئے ہوئے غلامانہ نظام کو ہی سینے سے لگائے رکھنا تھا تو اتنی بڑی بڑی قربانیاں دینے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اس نظام کو ان دیسی انگریزوں سے بہتر چلا رہا تھا۔ کیوں کہ وہ نظام کی چھری کو کند نہیں ہونے دیتا تھا۔ لہٰذا اسے ہمارا گوشت کاٹنے میں آسانی رہتی اور ہمیں تکلیف بھی کم ہوتی تھی۔ صرف اس وقت چونکہ ہماری روح آزاد تھی لہٰذا اس کا درد زیادہ محسوس ہوتا تھا اور اس ظلم پر ہم احتجاج بہت کرتے تھے۔ اب تو موجودہ حکمران اس نظام کی چھری کو تیز کرنا ہی بھول

چکے ہیں۔ انگریزی دور میں اس ظلم پر احتجاج دہشت گردی قرار دیا جاتا تھا اور آج بھی کیوں کہ نظام جو وہی ہے۔ صرف اتنا فرق پڑا ہے کہ آج اسے چلانے کے لئے جن اجلاسوں میں فیصلے کئے جاتے ہیں ان کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کر لیتے ہیں تاکہ پاک ہو جائے۔ حالانکہ سور سور ہی رہتا ہے اسے نہ تکبیر سے پاک کیا جا سکتا ہے نہ تلاوت سے۔ ہم نے نہ تعلیمی نظام بدلا' نہ عدالتی نظام بدلا' نہ معاشی نظام بدلا' نہ سیاسی نظام بدلا' نہ سماجی نظام بدلا' صرف انگریزوں کے چھوڑے ہوئے نظام کا میک اپ تبدیل کر کے اسے اسلامی قرار دے ڈالا اور لوٹ مار چھینا جھپٹی' دھوکہ فریب نت نئے طریقوں سے جاری رکھے۔

ہمارے ہم خیال پاکستان میں اور پاکستان سے باہر فرزندان توحید کا یہ پختہ یقین ہے کہ کسی بوڑھی ماں جس کا بیٹا اس کے سامنے ذبح کر ڈالا گیا' کسی بے بس باپ جس کے سامنے اس کی جوان بیٹی کی عصمت تار تار کی گئی اور وہ اسے بچا نہ سکا۔ کسی مجبور خاوند جس کی بیوی ظالم اٹھا کر لے گئے اور وہ اس کی بازیابی کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ کوئی مجبور و مقہور ماں باپ جن کا لخت جگر برائے تاوان اغوا کر لیا گیا اور اس کے پاس تاوان کی ادائیگی کے لئے پیسے نہ تھے۔ یا ان والدین کی چیخیں جن کا لخت جگر بردہ فروشوں نے یو۔ اے۔ ای میں عرب شیخوں کی اونٹ دوڑ کے بھینٹ چڑھا دیا کی آہوں کی وجہ سے یہ ظلم کی پرورش کا نظام زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے گا۔ اب اس کے خاتمے کا وقت بالکل قریب ہے۔

جب کہ ہم وہ قوم ہیں جس کی ملکیت میں اپنی بجلی جس کی پیداوار پر محض چھ پیسے فی یونٹ لاگت آتی ہے ساڑھے چھ سو پیسے فی یونٹ خرید ہے۔ جس کی سیمنٹ کی بوری پر کل پچاس روپے لاگت آتی ہے وہ اڑھائی سو روپے فی بوری خریدنے پر مجبور ہیں۔ جس کی سوئی گیس' مٹی کا تیل' فون کالز' سبزی' آٹا' گھی' دالیں' گوشت اور باقی ضروریات زندگی ان قیمتوں پر خریدنے پر مجبور ہیں جن میں کئی ظالموں کے جواء' شراب' زناء' بڑے بڑے بنگلوں' پلازوں' پلاٹوں' بنک بیلنس اور غیر ملکی دوروں کے لئے رقوم شامل ہیں۔ کیا یہ ظلم نہیں؟ لوٹ مار نہیں؟

ہمارے قوانین انیسویں صدی کے غلام معاشرہ کے لئے بنائے گئے تھے۔ ان میں جن قوانین کا بعد میں اضافہ کیا گیا وہ بھی حکمرانوں کے مفاد میں ہیں۔ یہ صریحاً ظالم کے ساتھی ہیں۔ صحیح قانون وہ ہے جو مظلوم کا ساتھ دے اور جو ظالم کا ساتھی ہو اسے دنیا کے کسی ضابطہ اخلاق، سیاسی نظام آئین اور معاشرہ میں قانون نہیں کہتے۔

ہمارے ہاں حکومتوں کا ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ سابقہ حکومتوں کو کوسنا اور لوٹ مار جاری رکھنا۔ وگرنہ صدارتی ایوان اور وزیر اعظم ہاؤس پر روزانہ ایک کروڑ روپے کا خرچہ (جو گذشتہ کئی سالوں سے اربوں روپے سالانہ کے حساب سے جاری ہے)، قوم سے لوٹے ہوئے سیاستدانوں کے بیرونی بنکوں میں لگ بھگ ڈیڑھ سو ارب ڈالر، دنیا کے مانے ہوئے ماہر معاشیات اور سابق وزیر خزانہ پاکستان ڈاکٹر محبوب الحق کے ۱۹۹۵ء کے دعویٰ کے مطابق پاکستان میں بیورو کریسی ہر سال چالیس ارب روپے کھا جاتی ہے۔ آج نصف صدی کے بعد کتنے کھرب ہڑپ کر چکی ہو گی۔ آئی ایم ایف کا ارب ڈالر کا قرضہ ان سے بالکل الگ ہے اور دعویدار ہیں۔ آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین کی پیروی کے اور اپنے شکاری کتوں کے لئے بلوچی سجی اور باربی کیو (بہترین گوشت) کے معیار کا گوشت اور ریس کے گھوڑوں کے لئے مربعہ جات اور دودھ جب کہ ان کی خدمت پر معمور خدام کو روٹی کھانے کے لئے پیاز کے علاوہ کوئی چیز میسر نہیں۔ لہٰذا جن کے نزدیک اشرف المخلوقات شکاری کتا ہے یا ریس کا گھوڑا ان سے قوم اسلام اور جمہوریت کی آس لگائے بیٹھی ہے۔ یہ احمقانہ سوچ نہیں تو اور کیا ہے۔ جس ملک کے صرف ایک صوبہ میں ستائیس ہزار گھوسٹ (جن بھوت) اسکول ہوں۔ یعنی کہ اسکولوں کا وجود نہ ہونے کے باوجود ان کے عملہ کی تنخواہیں اور باقی ماندہ اخراجات سرکاری خزانے سے بحساب ۸ ارب ۴۵ کروڑ روپے سالانہ کے حساب سے تیرہ سال تک ادا کئے جاتے رہیں مگر اربوں روپیہ کھا جانے والوں سے باز پرس نہ ہو۔ جس ملک میں

الف) چیئرمین واپڈا اور وزیر بجلی و آبپاشی کے پاس ایک جہاز

ب) (i) وزیر اعلیٰ پنجاب کے پاس دو جہاز

(ii) سابق وزیر اعلیٰ منظور وٹو کا ۲۹ کروڑ کی رقم سے خرید کردہ جہاز بھی

انہیں کے پاس ہے جسے اپنی انتخابی مہم کے دوران فروخت کرنے اور رقم قومی خزانہ میں جمع ہو جانے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ اس پر مزید دو کروڑ روپیہ (ایک محتاط اندازے کے مطابق) صرف کر چکے ہیں۔

) وزیر اعلیٰ سرحد کے پاس ایک جہاز
د) وزیر اعلیٰ بلوچستان کے پاس ایک جہاز
ھ) وزیر اعلیٰ سندھ کے پاس ایک جہاز
و) وزیر اعظم پاکستان کے پاس تین جہاز
ز) ہیلی کاپٹر اور قیمتی کاروں کے بیڑے ان کے الگ ہیں۔ تین جہاز جن میں ایک بوئنگ ہو جس کا خرچ ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ فی گھنٹہ ہو۔

جس ملک کے ایک وزیر اعلیٰ کے پاس درجنوں کاروں کا ایک بیڑہ ہو اور اس میں مزید تین گاڑیوں کا اسی سال اضافہ کیا جائے جن کی قیمت ۲٬۲۲٬۰۸٬۸۸۰ روپے ہو۔ جس کے لاہور کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے دفاتر کی صرف مرمت پر ۲٬۹۳٬۷۵٬۲۹۶ روپے سالانہ خرچ آئے اور باقی کروڑوں کے اخراجات الگ ہوں (صرف وفاقی وزراء اور ان کے عہدے کے برابر دوسرے افراد کی تنخواہوں پر موجودہ حکومت اب تک پندرہ ارب روپیہ صرف کر چکی ہے۔ باقی کی چاروں صوبائی حکومتوں + آزاد کشمیر کے قوم کے خادموں پر کم از کم پچاس ارب کے قریب خرچ ہو چکا ہے۔ یہ ۱۹۹۸ء کا سال ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ ان کے علاوہ گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان کی اطلاع کے مطابق ۱۹۹۶ء تک ڈوبے ہوئے قومی قرضوں کی رقم ایک کھرب ۲۱ ارب روپے تھی۔ جب کہ حکومت کو صرف اندرونی قرضوں پر سود ستر کروڑ روپے سالانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ (اس سال دسمبر تک سود سمیت بیرونی قرضوں کی جو قسط ادا کرنی ہے وہ ساڑھے تین ارب ڈالر ہے) اس ملک میں عوام ٹرانسپورٹ، تعلیم، طب اور سماجی بہبود کی دوسری سہولیات سے کیوں محروم نہیں ہوں گے۔ خاص کر ملک کی خواتین اور بچے، بوڑھے بھیڑ بکریوں کی طرح بسوں میں سفر کرنے اور شہد کے چھتہ پر چپکی ہوئی مکھیوں کی طرح بسوں پر چپکنے پر کیوں مجبور نہیں ہوں گے اور پھر حادثات کا

شکار ہو کر انسانی جانوں سے محروم کیوں نہیں ہوں گے۔ جب کہ بڑے لوگوں کو ایئر پورٹس پر چھوڑنے اور ڈیوٹیوں پر لانے لے جانے کے لئے گاڑیاں عوام کے پاس سے دھواں اڑاتی ہوئی خالی گزریں گی۔

جس ملک کے ہر صوبائی اور مرکزی وزیر کو سرکاری رہائش گاہ کے لئے سابقہ وزراء کا بنوایا ہوا فرنیچر' پردے' اور آرائش و زیبائش کا سامان پسند نہ ہو گاڑی پسند نہ ہو اور ہر بار گاڑی اور نیا فرنیچر بنایا جائے جبکہ ہر بار سابقہ لوٹ مار کی نذر ہو جائے۔ جس ملک کے وزیر اعظم ہاؤس میں ایوان ضیافت میں لگانے کے لئے صرف فرنیچر پر دس کروڑ صرف کئے جائیں۔ وزیر اعظم کی دفتر کی نئی میز پر اور چائے پینے والی میز پر دو لاکھ نو ہزار نو سو روپے صرف ہوں۔ اس ملک کے عوام غریب سے غریب تر نہیں ہوں گے تو کیا ہو گا۔

جس ملک میں سی ڈی اے' واپڈا' ٹیلی کمیونیکیشن' سوئی گیس اور واٹر سپلائی کی لائنیں بچھانے اور دوسری نوع کے ٹھیکوں کے لئے جو غیر ملکی اور ملکی فرموں کو دیئے جاتے ہوں ان فرموں کو جہاں ایک روپیہ خرچ کرتی ہوں وہاں ایک ہزار روپیہ کی رقم ادا کی جاتی ہو۔ اس طرح وصول شدہ رقم کو غیر ملکی و ملکی افسران آپس میں بانٹ لیں۔ جہاں زکوٰۃ کی رقم حکومتیں تبدیل کرنے پر صرف ہوں اور سرکاری حج پر جانے والوں پر خرچ ہو اور قوم ٹس سے مس نہ ہو وہ عتاب خداوندی سے کس طرح بچ سکتی ہے۔ جس ملک کی اسٹیل مل کے ایک بڑے افسر کے لاکر سے تین ارب روپیہ نقد اور ہیرے جواہرات برآمد ہوں اور اس کے پلازے' کوٹھیاں' پلاٹ اور غیر ملکی بینکوں میں اثاثے الگ اربوں روپے مالیت کے ہوں وہ خود عذاب خداوندی سے کتنا کم ہو گا جب کہ اس کی ڈگریاں بھی جعلی ہوں اور اس کی کوالیفکیشن صرف یہ ہو کہ وہ ایک مضبوط وفاقی سیکرٹری کا بھائی ہے اور ملک کے ایک سابق وزیر خزانہ کا داماد ہے۔ ایسی قوم کی قسمت میں اندھیرا نہیں تو اور کیا ہو گا۔ آپ اندازہ لگائیں کہ جس شخص کی تعلیم گریجوایشن بھی نہیں بنتی جہاں غریبوں کی اولادیں تین تین ایم اے کی ڈگریاں لئے ان ملازمتوں کے لئے مارے مارے پھر رہے ہوں جن کی تنخواہیں اگر ان

کے زیر کفالت آنے والے افراد خانہ پر تقسیم کی جائیں تو ملک کی کسی بھی جیل کے مینوئل میں درج قیدی کی خوراک کے لئے دی گئی رقم سے بھی کم رقم بنتی ہو' کاش پاکستان کی نصف صدی کی صحیح تاریخ لکھی جا سکے۔

ہمیں یقین ہے انشاء اللہ العزیز وہ وقت آن پہنچا ہے کہ قوم ان سے پائی پائی کا حساب لے گی اور عوام سے بجلی' سوئی گیس' فون اور آٹا چینی گھی' تعلیم صحت کے سلسلہ میں اتنے ہی پیسے وصول کئے جائیں گے جتنے جائز ہیں اور یہ اشد ضروری سہولیات زندگی عذاب نہیں بنی رہیں گی اور مصنوعی مہنگائی اور جبری ٹیکسوں اور رشوت اور کمیشن کے ناجائز ذرائع سے عوام کے منہ سے نوالہ نہیں چھینا جائے گا۔ آپ اندازہ فرمائیں ملک میں پھیلے ہوئے ضلع دفتران حساب اور صوبائی دفاتر ہائے اکاؤنٹنٹ جنرل اور آڈیٹر جنرل صاحبان کی ملی بھگت سے سالانہ اربوں روپیہ جعل سازی سے افسران کے جعلی سفر خرچ' جعلی علاج معالجے پر' تعمیر وطن اور پیپلز ورکس پروگراموں کے بہانوں' ہسپتالوں پر جعلی اخراجات کی مد میں عوامی خزانہ سے وصول کئے جا رہے ہیں جس کا قوم کو علم تک نہیں اور اس قوم کے عوام جس کی بہت بڑی تعداد تعلیم' صحت' انصاف کی سہولیات سے محروم ہے۔ بعض کو تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا میسر نہیں اور بعض کے ساتھ بھوک مٹانے کے لئے سوکھی روٹی تک میسر نہیں۔ اور لوٹ مار والے سینکڑوں سے شروع ہوئے تھے اب ان کی لوٹ مار اربوں تک جا پہنچی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ان کے ساتھ جو لوٹ مار والے سینکڑوں سے شروع ہوئے تھے اب ان کی لوٹ مار اربوں تک جا پہنچی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ان کے لوٹ مار کے ولولے جوان ہیں کیونکہ قوم ابھی تک خوابیدگی اور نیم خوابیدگی کی حالت میں ہے۔ مہنگائی' جرائم اور غربت میں پسی ہوئی قوم کے بچے اور بوڑھے دواؤں' خوراک اور لباس کو ترستے ہیں اس قوم کا ۶۵۸ ملین ڈالر کا غیر ملکی زرمبادلہ کی صورت میں سرمایہ امریکہ کو ایف۔ ۱۶ خریدنے کے لئے دیا گیا جس نے ایف۔ ۱۶ بھی نہ دیئے اور رقم لوٹانے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ اس سودے کا کمال یہ ہے کہ اس ضمن میں ۲۰۰ ملین ڈالر (یعنی کہ بیس کروڑ ڈالر) کی ادائیگی کے بعد ۱۹۸۲ء

میں امریکی یہودیوں نے لارک پر۔سلر جو کانگرس میں کسی خارجہ کمیٹی کا چیرمین ہے' کی کوششوں سے (جو خود بھی یہودی ہے) خاص طور پر پاکستان کے لئے یہ قانون پاس کروا دیا جس کی رو سے امریکی صدر جب تک تصدیق نہ کر دے کہ پاکستان کے پاس ایٹمی توانائی نہیں اس وقت تک پاکستان کو امریکہ سے اسلحہ سمیت کسی قسم کا دفاعی سامان خریدنے کی اجازت نہ ہو گی (اسی امریکہ کے صدر روس اور افغانستان کی جنگ کے دوران ایسا تصدیق نامہ بخوشی جاری کر دیتے رہے) اور اور اس دور کے وزیر دفاع نے پر۔سلر قانون پاس ہونے کے بعد امریکہ کا دورہ کیا اور ایف۔ ۱۶ بنانے والی فرم کے چیرمین کی یقین دہانی پر بقیہ رقم یعنی کہ ۴۵.۸ ملین ڈالر (پینتالیس کروڑ اسی لاکھ ڈالر) بھی ادا کر دی اب یہ رقم امریکی بنکوں میں ہے جہاں سودی نظام کی وجہ سے تین سو کروڑ (تین ارب ڈالر) بن چکی ہو گی۔ جب کہ امریکی بنکوں (یہودیوں) کے اور آئی ایم ایف کے قرضے بھی ساتھ ساتھ قائم ہیں۔ یہ رقم ہم پوری لے سکیں(سود سمیت تو آئی ایم ایف وغیرہ کی سودی رقم سمیت کافی قرضہ اتر سکتا ہے۔ جس سے غریب قوم کی سہولیات اور ضروریات زندگی کی قیمتیں کم ہو سکتی ہیں۔ لیکن امریکہ جیسا دوست اس کی کبھی اجازت نہیں دے گا۔ یہ ایف۔ ۱۶ ARIZONA کھڑے ہیں جو علاقہ امریکیوں نے MEXICO سے چھین رکھا ہے ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں لیکن ان کے وہاں کھڑا کرنے کا کرایہ ہم سے وصول کیا جا رہا ہے اور وہ وزیر دفاع آج مرکزی کابینہ کے اہم وزیر ہیں۔ امریکہ سے (بڑی خریداریوں پر وہ رشوت ضرور دیتے ہیں جسے وہ کمیشن کہتے ہیں) اور اس نظام میں ان سے باز پرس کی ہمت نہیں۔

آیئے حکمرانوں کے احسانات گنتے جایئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکمران ابھی لوٹنے سے تھکے ہیں اور نہ ہی عوام ابھی لٹنے سے۔ آپ سب کے علم میں ہے کنونشن سنٹر۔ اسلام آباد کی ایک نو تعمیر شدہ عمارت اسلام آباد کے ایک ویرانے میں بالکل بے یار و مددگار کھڑی ہے۔ اس پر قوم کا ذخیر سرمایہ یعنی ستر(۷۰) کروڑ روپیہ ضائع کیا جا چکا ہے۔ اس میں جو ایک آدھ اجلاس ہوا ہے۔ وہ راولپنڈی کے لیاقت حال سے لے کر قومی اسمبلی یا سینیٹ میں سے کسی بھی عمارت میں بڑی آسانی سے منعقد ہو سکتا تھا۔

اس پر اس غریب قوم کا دھن ضائع کیا گیا جس کے بے شمار افراد رات کو بھوکے سونے کے وقت یہ نہیں جانتے کہ اگلے روز بھوک ڈبل ہو جانے پر وہ کیا کریں گے۔ جن مجرموں سے ہر جرم سرزد ہوا انہیں یہ نظام نہیں پوچھ سکتا کیونکہ ہے یہ ان کی لوٹ کا محافظ۔

خواتین و حضرات (MULTINATIONALS) بین الاقوامی تجارتی اداروں کا ڈرامہ بالکل الگ ہے۔ ادھر کابینہ کے اجلاس ہو چکے ہیں فاضل بجلی انڈیا کو کس طرح بیچی جائے ادھر کالا باغ ڈیم کے بارے میں دعویٰ ہے کہ نہ بنا تو سارا ملک اندھیرے میں ڈوب جائے گا۔ اس ڈیم کی افادیت اپنی جگہ۔ دراصل اس بدنصیب ملک میں حکمرانوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ پوری قوم پورا ملک یا پورا معاشرہ سمجھا ہے۔ اور یہ بین الاقوامی تجارتی ادارے کسی موٹر وے کا ٹھیکہ لیں یا کسی بڑے ڈیم کا یہ ٹھیکہ لیتے ہی اربوں کا ہیں بلکہ کھربوں کی مالیت کا۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں اس کا کمیشن کتنا ہو گا جو ان بے چاروں کو نہ ملا تو ان کی دنیا تو اندھیر ہو ہی جائے گی۔ جب کہ یہ کمیشن جو اربوں میں بھی ہو سکتا ہے زرمبادلہ یعنی کہ غیر ملکی کرنسیوں میں ہو گا۔ تھائی لینڈ' جنوبی کوریا' انڈونیشیا یا جن جن ملکوں کی معیشتیں تباہ ہوئیں یا جن کی ہونے والی ہیں وہ سارے ان کے دوست ممالک ہیں۔ جن میں جاپان جیسا ملک بھی شامل ہے۔ پاکستان تو خیر ان میں شامل ہے ہی۔ اس کی جغرافیائی حالت اتنی اہم ہے کہ اسے ابھی تک عمداً" بچائے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں ایوب خاں کے خلاف تحریک تھی یا بھٹو کے خلاف سب ان کی کارگزاری تھی۔ بلکہ وہ تیسری دنیا کے لئے جمہوریت جمہوریت کی رٹ اس لئے نہیں لگاتے کہ انہیں ان کے بنیادی حقوق کا بڑا درد ہے بلکہ اس کی سیدھی سادی اور صاف صاف وجہ یہ ہے کہ ایسی طرز حکومت میں ان کے لئے کرپٹ افراد ڈھونڈ کر پیسے اور پراپیگنڈے کے زور پر سیاستدان بنا کر انہیں حکومت دلانا آسان ہوتا ہے۔ ان کے اس سارے گھناؤنے کاروبار کے پیچھے یہ ملٹی نیشنل فرمیں اور ان کی رقم ہوتی ہے کیونکہ ان فرموں نے اپنی کرپٹ سیاستدانوں کو کمیشن کی صورت میں رشوت دے کر بہت بڑے بڑے پراجیکٹس شروع کروانے کے لئے ادھار دے کر ان قوموں کی ٹھوس کمائی میں

حصے دار بننا ہوتا ہے۔ ان سے بڑے بڑے بے ہنگم منصوبوں پر عمل کروا کر ان غریب ملکوں کے خزانوں پر قابض ہونا ہوتا ہے۔ ان منصوبوں میں قرضہ سے حاصل شدہ سرمایہ انکا مشیر، انجینئر، مال اور ان سب کی قیمتیں کیونکہ حکمرانوں اور افسروں میں سے تمام متعلقہ لوگ ان کے ہاتھ خود ہی بک چکے ہوتے ہیں لہٰذا وہ صرف لوٹ کا نظارہ کرنے میں مصروف رہتے ہیں یا عوام کو باور کرواتے ہیں کہ یہ عوام کی بہتری میں بہترین منصوبے ہیں۔ عوام کو تب پتہ چلتا ہے کہ جب ان کے ٹیٹوا پر مہنگائی اور جرائم انگوٹھا رکھ کر دبانا شروع کر دیتے ہیں اور یہ ملک کے پورے بجٹ پر قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آج کے دور میں ہر جگہ اسلحہ کی بھرمار کی وجہ سے ان ممالک میں فوجیں داخل نہیں کر سکتے لہٰذا ففتھ کالم تیار کر کے انہیں حکومت دلوا دیتے ہیں جو ان کے مفادات کی حفاظت دیری سے کرتے رہتے ہیں۔ آمریت کی یہ قومیں اس لئے مخالفت کرتی ہیں کہ آمر کے اندر کبھی انا عود کر آئے تو انکے پاس اس کا فوری حل نہیں ہوتا اسے جنرل نوری ایگا کی طرح فوج کشی کر کے انہیں گرفتار کرنا پڑتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کی طرح مروانا پڑتا ہے یا صدام حسین کی طرح اس سے ان کے لئے جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔ ان بین الاقوامی تجارتی اداروں کے بجٹ پاکستان جیسے ملکوں سے کئی گنا بڑے ہوتے ہیں اور ان کے اپنے اپنے ممالک کی حکومتیں اور جاسوسی کے ادارے ان کے ہاتھوں میں یرغمال ہوتے ہیں اور اگر ان کا کوئی بھی خواہ ان کی لائن سے ہٹے یا اس کی انہیں ضرورت نہ رہے تو اس کا وہ حشر کرتے ہیں کہ ان کے باقی خرید کردہ حکمران اس عبرت ناک انجام کی وجہ سے آئندہ محتاط ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں تاہم دو اہم واقعات مثال کے طور پر کافی ہیں۔ ایک شہنشاہ ایران کا ہے جس کے خلاف ۱۹۷۹ء میں اس زور سے تحریک اٹھی کہ اس کے تمام تشدد کے باوجود بڑھتی ہی چلی گئی۔ عوام کی ہزاروں لاشیں اٹھنے کے باوجود ایک ہی آواز آتی "مرگ بر شاہ" ہمیں شاہ کی لاش چاہئے۔ شہنشاہ کو یقین تھا کہ امریکی اس کی مدد کو ضرور پہنچیں گے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر مصدق کے انقلاب کو ناکام کروا کر اسے روم میں جلا وطنی سے واپس لا کر تخت پر بٹھا چکے تھے۔ لیکن اب کی بار انہیں یقین تھا کہ ایران

میں مداخلت انہیں مہنگی پڑے گی۔ لہٰذا وہی امریکی جنہوں نے اسے ایشیا کا ایس ایچ او بنانے کی بھرپور کوششیں کی' جب امریکہ صدر جمی کارٹر نے اجلاس بلایا ان کا فیصلہ تھا "دفعہ کرو وہ کوئی ہمارا رشتہ دار تھوڑا ہی ہے۔" اس اجلاس کی طلبی کی وجہ یہ تھی کہ شہنشاہ ایران نے امریکی صدر کو اپنے آخری پیغام میں یہ کہا تھا کہ اسے بچاؤ ورنہ ایران پر بنیاد پرست قبضہ کر لیں گے...... دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ عبرت ناک ہے۔ آندرے پاپاندریو کا (Andreas Papandreou) یہ شخص یونان کا وزیر اعظم منتخب ہونے سے پہلے بارکلے یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ معاشیات تھا۔ اس کی بیوی بھی امریکی تھی اور اس کے بارے میں یہ خیال عام تھا کہ یہ امریکی شہری بھی تھا۔ مگر چونکہ یہ صرف یونانی نژاد ہی نہیں تھا بلکہ اس کا باپ جارج پاپاندریو (George Papandreou) بھی یونان کا وزیر اعظم رہ چکا تھا۔ اس لئے ان باتوں کو یونانی کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ فوجیوں نے اس کی حکومت کا تختہ الٹ کر اسے جیل میں بند کر دیا۔ اس کی بیوی نے اس کے دوستوں کو ساتھ ملا کر امریکہ میں اس کی رہائی کے لئے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ چونکہ یہ شخص امریکہ نواز بھی تھا۔ امریکی صدر پر دباؤ بڑھا۔ اس دور میں امریکہ میں آندرے پاپاندریو کی رہائی کے بارے میں تمام ہل چل کو "یونانی مسئلہ" کہا جاتا تھا۔ ایک صحافی نے وائٹ ہاؤس میں ایک ڈنر کے دوران اس دور کے امریکہ صدر جانسن سے پوچھا وہ اس کی رہائی کے لئے کیا کر رہا ہے۔ امریکی صدر نے جو جواب دیا وہ پاپاندریو نے اپنی سیاسی خود نوشت میں یوں لکھا ہوا ہے۔

"Well I have told those greek bastrmds to sprme that son of bitch whosoever he is"

"میں نے ان یونانی حرامی زادوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ اس کتیا کے بچے کو مارنے سے باز رہیں۔ وہ جو بھی ہے" یہ ہے رویہ ان کا یورپی اور گوری نسل کے بارے میں جو عیسائی بھی ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کے خلوص کا اندازہ آپ خود لگالیں۔

گرمیوں میں لوڈشیڈنگ یا بجلی میں بار بار تعطل ایک عذاب کا روپ دھار لیتی ہے۔ واپڈا کے افسران اور اہل کاران جن کی تنخواہیں عوام کی جیب سے (براہ راست)

جاتی ہیں تقریباً" سب کے سب' ان میں سے بعض کے عزیز و اقارب اور دوست احباب اور جنہوں نے ان سے مک مکا کر رکھا ہوتا ہے وہ اور ہمارے حکمران و افسران نے دفتروں اور گھروں میں بے شمار ائیر کنڈیشنر لگا رکھے ہیں۔ لٰہذا واپڈا کا دعویٰ درست ہے کہ گرمیوں میں لوڈ بڑھ جانے کی وجہ سے لائنیں جل جاتی ہیں مگر واپڈا نے اس کی صحیح وجوہات کبھی نہیں بتائیں بلکہ بعض اوقات عوام کے علاقوں میں باری باری بڑی منصوبہ بندی سے بجلی بند رکھی جاتی ہے تاکہ اس طرح بجلی بچا کر مذکورہ بالا دی وی آئی پی اور ان کے حواریوں کے ائیر کنڈیشنر چالو رکھے جائیں۔ اگر عوام میں کبھی اس صورت حال کے خلاف بے چینی پیدا ہوئی بھی تو حکمرانوں میں سے یا واپڈا کے اعلیٰ حکام میں سے کسی ایک کی طرف سے معقول سا جواز گھڑ کے اخبارات کی وساطت سے عوام کو دے دیا جاتا ہے مگر پرنالہ پھر وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ اسے لوڈشیڈنگ کہتے ہیں اور مزیدار بات یہ ہے کہ ان کا خرچہ بھی عوام سے وصول کیا جاتا ہے۔ یہ جو بجلی چوری کے بارے میں آپ اخبارات میں پڑھتے یا سنتے ہیں یہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ اور یہ کہ بجلی چوری سے قوم کتنا نقصان اٹھاتی ہے اس کا آپ اس بات سے اندازہ لگا لیں کہ ایک فیصد بجلی چوری کا نقصان ایک ارب روپیہ ہوتا ہے اور صرف پنجاب میں ۳۹ فیصد بجلی چوری ہوتی ہے۔ جبکہ پاکستان کے بے شمار علاقوں میں لوگ بجلی کا قطعی بل ادا نہیں کرتے نہ ہی اس نظام میں وصولی کی ہمت ہے۔

اب ایک اور مسئلہ کی طرف آیئے۔ بحیثیت مسلمان کے آپ سب کے علم میں ہے کہ سودی نظام بنی نوع انسان کے لئے ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ اس کا ایک ثبوت تو درج ذیل چارٹ میں موجود ہے۔ یہ قیمتوں کا موازنہ ہے۔ ۱۹۹۸ء (جبکہ پورا معاشرہ سود کی لعنت اور عذاب میں جکڑا ہوا ہے) اور ۱۹۴۷ء تک کا (جب یہ ملک آزادی سے ہم کنار ہوا اور معاشرہ ابھی جدید بنکاری (جدید سودی لعنت) سے پاک تھا) (یہ یاد رہے ۱۹۴۷ء کی یہ قیمتیں دو جنگ ہائے عظیم کی وجہ سے تھیں جو مغرب کے انسان و انسانیت دشمنوں نے بنی نوع انسان پر ٹھونسیں وگرنہ بیسیوں صدی کے آغاز میں جو قیمتیں رائج تھیں ان کے بارے میں ہماری مغرب سے متاثر نسل شائد یقین ہی نہ

کرے)

نمبر شمار	اشیاء کے نام	قیمتیں ۱۹۴۷ء	قیمتیں ۱۹۹۸ء
۱۔	دیسی گندم	اڑھائی روپے من عام ملتی تھی	۳۴۰ روپے من سپلائی غیر یقینی
۲۔	دیسی گھی ڈالڈا کی ضرورت نہ تھی' دیسی گھی ہی کافی تھا۔	اڑھائی سے ۳ روپے کلو	۱۵۰ روپے کلو
۳۔	گوشت (چھوٹا)	اڑھائی روپے کلو (اعلیٰ کوالٹی)	۱۱۰ روپے کلو (ناقص کوالٹی)
۴۔	گوشت بڑا (گائے وغیرہ)	ایک سے ڈیڑھ روپیہ کلو	۷۷ روپے کلو
۵۔	عام محلے میں کرایہ مکان ۳' ۴ مرلے مکان ماہوار کا کرایہ		۱۰ سے ۱۵ روپے دو ہزار سے اڑھائی ہزار روپیہ
۶۔	سوتی کپڑا	ایک روپے کا گز	۶۰ روپے گز تک
۷۔	گڑ دیہات میں	۲۴ روپے من	۹۶۰ روپے فی من
۸۔	پیاز	ایک روپے کا ۳۰ کلو	۲۵ روپے کلو
	مختلف سبزیاں	ایک روپے کی ۲ سے ۴ کلو	۲۰ سے ۴۵ روپے فی کلو
	(آج کل مارکیٹ میں تازہ نئی آنے والی سبزی ۶۰ روپے کلو سے اوپر)		
۹۔	دودھ	ایک روپے کا ۴ کلو	بھینس کا تازہ پانی سمیت ۲۰ روپے کلو ملک پیک ۲۸ روپے کلو

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ مختلف اشیاء کی قیمتیں دونوں بڑی جنگوں کی وجہ سے تھیں وگرنہ ان سے پہلے کی قیمتیں حیران کن حد تک کم تھیں اور ان میں

انگریزوں کی لوٹ مار بھی شامل تھی۔ اب آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ان کالے انگریزوں کی لوٹ کے پیانے کیا ہوں گے اور سود کتنا بڑا عذاب ہو گا انسانی زندگی کے لئے۔ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی قوم جسمانی غلامی صرف اس وقت قبول کرتی ہے جب وہ ذہنی طور پر غلام ہو۔ اور جو قوم ذہنی طور پر غلام نہ بنائی جا سکے اسے جسمانی طور پر غلام بنایا جانا ممکن ہی نہیں۔ جب کہ ہمارا پاکستانیوں کا یہ حال ہے کہ انگریز کے ۱۹۴۷ء میں یہاں سے چلے جانے کے باوجود ہم آج بھی گوری نسلوں سے مرعوب ہیں۔ لہذا ان کی ہر بری عادت یا شئے کو بغیر سوچے سمجھے اپنانے کے عادی ہیں۔ مثلاً" سود کو لے لیجئے۔ اس کے اصل نام کی بجائے بنکوں میں استعمال کے دوران قوم کی غلامانہ ذہنیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے Interest-Mark-Up اور Profit جیسے کئی نام دے رکھے ہیں (یہ انگریزی اصطلاعات لوٹ' دھوکہ' فریب' جعل سازی وغیرہ کے لئے خوب خوب کارآمد ہیں جن سے پبلک کو بے وقوف بنانے میں آسانی رہتی ہے کیونکہ اکثر افراد کو ان کا علم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کیا ہیں۔

یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ سستے زمانوں میں آبادی کم تھی اور ذرائع پیداوار وافر مگر مکمل طور پر درست نہیں کیونکہ وہ زمانہ جدید کی ترقی مثلاً" اعلیٰ کھاد' بیج اور مشینی کاشت اور سائنسی ترقی سے محروم تھے۔ درج ذیل چند چیدہ چیدہ وجوہات دی جا رہی ہیں جن سے عوام باسانی سمجھ جائیں گے کہ سود کی لعنت کس طرح بے لگام مہنگائی کا سبب بنتی ہے (اور پھر مہنگائی لازمی جرائم کو جنم دیتی ہے)

۱۔ آج کل تمام صنعت بنک کے قرضوں پر چلتی ہے۔ کیونکہ صنعت کار کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر صنعت نہ چل سکی تو دیوالیہ قرار دے دی جائے گی۔ نقصان تو بنک کا ہو گا اس کا کیا بگڑے گا۔

۲۔ تقریباً" تمام تھوک کاروبار بنک کی وساطت سے چلایا جاتا ہے۔

۳۔ کافی حد تک پرچون کاروبار پہلے بھی سودی قرضوں سے پاک نہیں تھا۔ بلکہ آج کل کریڈٹ کارڈ اسکیم نے اسے اور بھی گھمبیر بنا دیا ہے۔ اس سسٹم میں شرح سود عام شرح سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ بہت بڑی لعنت ہے۔ خواتین و حضرات بنک کا

جو حصہ ہوتا ہے سودی قرضوں کی وساطت سے کسی بھی سطح کے کاروبار میں اس میں ۴۶ فیصد تک بنک کی آمدن شامل ہوتی ہے کم از کم۔

۴۔ جن صنعتوں میں خام مال زراعت سے سپلائی ہوتا ہے ان کے خام مال میں پہلے ہی ۴۶ فیصد شرح سے سود شامل ہوتا ہے لہٰذا ان میں سے ۹۲ فیصد تک رقم بنک کی تجوری میں واپس چلی جاتی ہے۔

اسی لئے

تنظیم الاخوان پاکستان کا دعویٰ ہے کہ نفع نقصان کی بنیاد پر کاروبار میں ۴۶ فیصد سے لے کر ۹۲ فیصد (زراعت سے خام مال کے حصول کی صورت میں) رقم جو حرام اور سودی راستوں سے بنک کی تجوریوں میں پہنچنے کے لئے عوام کی جیب سے جبراً نکالی جاتی ہے اس سے بچت ہو سکتی ہے یا آسان الفاظ میں آپ یوں سمجھئے کہ اگر کسی چیز کی قیمت ایک سو آٹھ روپے ہے تو اس کے آپ سے دو سو روپے وصول کئے جاتے ہیں (بنک کے سود کی وجہ سے)۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں آپ اس چیز یا شے کا ایک سو آٹھ روپیہ دینا پسند کریں گے یا دو سو روپیہ۔ فیصلہ آپ پر ہی موقوف نہیں خدا اور رسول ﷺ نے اس لوٹ مار سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ تمام اشیاء کی قیمتوں میں ٹیکس بھی شامل ہوتے ہیں اور اشیاء اگر دو نمبر' تین نمبر' چار نمبر ہوں تو ہو سکتا ہے ان کی اصل قیمت دو سو روپے کی بجائے صرف اور صرف تیس یا پینتیس روپے ہو یا اس سے بھی کم ہو یہ ہیں اس ملعون نظام کی برکتیں۔ امریکہ اور جاپان بلاسود بنکاری کے تجربہ کا آغاز کر چکے ہیں۔ مزید ۱۹۹۸ء کے ایک معاشی سروے کے مطابق دنیا کا سب سے سستا شہر تہران ہے۔

(الف) خداوند باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "سود میرے (یعنی خدا کے) خلاف کھلی جنگ ہے۔"

(ب) آنحضور ﷺ کا فرمان ہے (مسلم شریف کی ایک حدیث پاک کی رو سے) "سود کھانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح اپنی ماں سے زیادتی کرنا۔"

آیئے اب اس صورت حال پر غور کریں کہ سود کی لعنت سے معاشرہ پاک

کیوں نہیں ہو سکتی۔ اس کا سادہ سا جواب تو یہ ہے کہ موجودہ نظام اس کو تحفظ دے رہا ہے۔ اب آپ کے ذہن میں اگلا سوال یہ ہو گا کہ وہ کیسے تو تھوڑی سی اس کی توضیح بھی حاضر ہے۔

وہ آئین جس کے تحت آپ کی حکومت (اسمبلیاں وغیرہ) وجود میں آتی ہیں اس کی دفعہ D-203 میں لکھا ہوا ہے کہ پاکستان کا کوئی قانون جو اسلام کے منافی ہو یا اس کا کوئی حصہ عدالت از خود یا کسی شہری کی درخواست پر اسے غیر شرعی قرار دے سکتی ہے۔ مگر آئین کی یہ شق بھی انگریزی روایات سے پر ہے۔ اور آپ سوچیں گے یہ انگریزی روایات کیا ہیں۔ تو خواتین و حضرات یہ انگریزی روایات وہی ہیں جن کی مدد سے انگریزوں نے انیسویں صدی میں قوانین بنائے اور ہمیں لوٹا اور جن کی مدد سے آزادی کے بعد حکومتوں نے قوانین اور دساتیر بنائے۔ دراصل یہی موجودہ نظام کی اصل ہیں بلکہ یہی اصل نظام ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ اس نظام کے تحت بنائے گئے قوانین و دساتیر میں اتنے "اگرچہ" "مگرچہ" "چونکہ" "چنانچہ" "اندریں حالات" "لہذا" ڈال دیئے جاتے ہیں کہ یہ عوام کو دھیلے کا فائدہ دینے کے قابل نہیں رہتے' تاہم حکمرانوں اور ان کے حواریوں کی لوٹ مار کو دلیری سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ صرف ایک صفت جو ان میں مشترک ہے وہ خوبصورت انگریزی ہے۔ ورنہ ان کے خوفناک اور گھناؤنے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ ان کی وجہ سے بے گناہ اور شریف شہری چھپتے پھرتے ہیں اور جنہیں جیلوں میں ہونا چاہئے وہ جرائم پیشہ افراد نہ صرف دندناتے پھرتے ہیں بلکہ ملک کا سیاسی معاشی اور معاشرتی نظام انہی کی مرضی کے تابع ہے۔ اب سنئے D-302 کی روئیداد اور سر دھنئے:

ا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں لفظ ہے کورٹ (عدالت) تو صاف ظاہر ہے جو عدالت ہی انگریزی قانون کی دین ہے اس سے سود کے غیر شرعی ہونے یا قرار دیئے جانے کی توقع رکھنا ممکن نہیں۔

۲۔ دوسری صورت میں بقیہ رہ جاتی ہے وفاقی شرعی عدالت جو سود کو مختلف شہریوں کی درخواستوں پر پہلے ہی فیصلے سناتے ہوئے غیر شرعی قرار دے چکی ہے۔ تاہم

اس کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جا سکتی ہے اور اس ضمن میں "لہٰذا" وفاقی شرعی عدالت کا نہیں سپریم کورٹ کا فیصلہ حتمی ہو گا۔ گویا پاکستان میں اگر کوئی قانون اسلام کی رو سے وفاقی شرعی عدالت غیر اسلامی قرار دے دے تو اس امر کا صرف انگریزی قانون فیصلہ کرنے کا مجاز ہے کہ متعلقہ غیر شرعی قرار دیا گیا قانون غیر اسلامی ہے کہ نہیں۔ انگریزی قانون کو شریعت پر بالادستی دی گئی ہے۔ جب کہ قرآن میں رب فرماتا ہے و من لم یحکم بما انزل الله فا و الٔک هم الکفرون (المائدہ ۴۴) جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں اور آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق جن چیزوں کو خالق نے ناجائز ٹھہرایا اور معصیت قرار دیا کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو ان سے ارتکاب کا حکم دے لہٰذا ایسا حکم بھی ناجائز ہے اور اس کی تعمیل بھی غیر شرعی۔

سنا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے سود کو غیر شرعی قرار دیئے جانے کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی تھی۔ خواتین و حضرات حکومت میں ہمت ہو گی کہ وہ خدا کے خلاف کھلی جنگ لڑ سکے یا آنحضور ﷺ کی حدیث پاک کے مطابق اپنی ماں کے ساتھ زیادتی کر سکے۔ کیا حکومت کا یہ اقدام کافرانہ اقدام نہیں تھا اور کافرانہ اقدام پر عمل کرنے والی حکومت کافرانہ حکومت نہیں تھی۔ کیا ایسی حکومت کو نا اہل قرار دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں کر دینا چاہئے تھا۔ لیکن ایسا صرف اسلامی نظام کے نفاذ ہی میں ممکن ہے۔ جس کے آپ سب بچے' جوان' بوڑھے' عورتیں اور مرد کوشش کرنے کے پابند ہیں۔ موجودہ نظام کفر کے مترادف ہے۔ اس کی حمایت یا اس کے وجود سے چشم پوشی کفر ہے۔ تنظیم الاخوان پاکستان آپ سے ووٹ نہیں مانگ رہی۔ اسمبلیوں میں نشستیں نہیں مانگ رہی۔ حکومت نہیں مانگ رہی۔ اقتدار میں شرکت نہیں مانگ رہی۔ چندہ نہیں مانگ رہی' قربانی کی کھالیں نہیں مانگ رہی نہ ہی حکومت کو دین کے نام پر بلیک میل کر کے مال بٹورنے کا کوئی ارادہ رکھتی ہے۔ اس کا مقصد صرف اور صرف خدا اور رسول کی طرف سے عائد ذمہ داری پوری کرنا ہے جو آپ سب پر بھی عائد ہوتی ہے (اسی طرح ہم پر اور ہر مسلمان پر)

اور اس میں آپکا، آپکے ایمان کا، آپکے خاندان کا، اسلام کا اور ملک و قوم کا بھی بھلا ہے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اسلام کے نفاذ سے عوام لازمی فائدے میں رہیں گے اور لوٹ مار میں مصروف بدقماش گھاٹے میں۔ صرف آپ کی سوچ بدلنے اور اتحاد کی ضرورت ہے وگرنہ سوچ لیجئے پورے ملک میں کھربوں کے ٹیکسوں کا بوجھ صرف آپ کو ادا کرنا ہے۔ بنکوں میں جمع ہونے والا کھربوں روپے کا سود آپ نے دینا ہے۔ پورے ملک میں ہر سطح پر رائج رشوت کی کھربوں کی رقم آپ کو ادا کرنی ہے۔ بجلی چوری کے کھربوں کا نقصان بھی آپ نے پورا کرنا ہے۔ (ایکسائز + سرچارج + سپر سرچارج وغیرہ کی صورت میں) مہنگائی اور جرائم آپ نے برداشت کرنے ہیں۔ جعلی دوائیں اور جعلی خوراک آپ نے استعمال کرنی ہیں۔ بے روزگاری، افلاس، بے عزتی اور خواری ان میں مزید اضافہ ہو گا۔ فی الحال فوری طور پر حکومت کی طرف سے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جو قرضے دیئے گئے جن میں:

۱۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے تمام مقروضوں کا باقی ماندہ سود ختم کر دیا جائے (معاف نہیں) اور جتنا سود وصول کیا جا چکا ہے یہ واپس لوٹایا جائے اس کا استعمال حرام ہی نہیں عوام پر ظلم بھی ہے اور مقروضوں کے فوت ہونے کی صورت میں باقی ماندہ قرضہ ختم کر دیا جائے۔ اس ضمن میں مقروضوں کی جبری انشورنس نہ کی جائے اور آج تک انشورنس کی مد میں وصول کی گئی رقم واپس لوٹائی جائے۔

۲۔ اور چھوٹی صنعتوں کے قرضوں پر وصول کیا گیا سود واپس لوٹایا جائے اور آئندہ سود (معاف نہیں) ختم کیا جائے۔ اور قرضوں کی وصولیابی کے لئے سہل طریقہ اپنایا جائے۔

۳۔ پیلی گاڑیوں کی اسکیم کے قرضوں پر لیا گیا سود واپس کیا جائے اور آئندہ سود وصول نہ کیا جائے (یہ قرضے عوام کے ملکیتی خزانہ سے ہی دیئے گئے تھے۔ لہٰذا انہیں لوٹ مار کا ذریعہ نہ بنایا جائے)

۴۔ نوجوانوں کی بے روزگاری کی اسکیموں کا پہلا وصول شدہ سود واپس کیا جائے

اور آئندہ سود وصول نہ کیا جائے سیلف ایمپلائمنٹ Self-Employment کے لئے نوجوانوں کو بلاسود آسان قسطوں کی صورت میں واپسی کی شرط پر مزید قرضے دیئے جائیں۔

یہ حقیقت ایک عام سی سوجھ بوجھ رکھنے والے شخص کی سمجھ میں بھی بڑی آسانی سے آسکتی ہے کہ بلاسودی قرضوں سے چھوٹی صنعتوں کا جال پھیلانے میں آسانی رہے گی اور اس طرح (۱) بے روزگاری کم ہو گی کیونکہ اور ملازمت کے مواقع پیدا ہوں گے۔ (۲) ٹیکس دہندگان + زکوٰۃ + خیرات + عشر دہندگان میں اضافہ ہو گا۔ لہٰذا خزانہ میں رقم بھی زیادہ جائیں گی (اور حلال ذرائع سے بھی) عوام بھی سکھی رہیں گے۔ (۳) برآمدات میں بھی اضافہ کیا جا سکے گا جس سے ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہو گا۔ (۴) ملکی مارکیٹ میں ان چھوٹی صنعتوں کا پیدا یا تیار کردہ مال وافر ہو جائے گا جس سے صحت مند مقابلہ کی وجہ سے مہنگائی میں بھی لازمی کمی واقع ہو گی۔ ان وجوہات کی بناء پر بھی اس کافرانہ نظام کا جانا ضروری ہے۔ یہ نظام وہ گائے ہے جو ہے تو اس طرح تقسیم کہ اس کا بیشتر دھڑ عوام کی ملکیت ہے تاہم عوام کے قبضہ میں صرف اگلا دھڑ ہے اور پچھلا دھڑ صرف اور صرف حکمرانوں' امراء اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے قبضہ میں ہے۔ لہٰذا اس کے دودھ کی دھاریں نظر آنے کے باوجود عوام کے برتن خالی رہتے ہیں اور رہیں گے۔ عوام کو صرف ہمت کرنی ہے۔ صحیح ترتیب صرف اور صرف اسلامی نظام کے نفاذ سے ہی ممکن ہے۔ موجودہ نظام کا میک اپ تبدیل کر کے اگلی یا نئی سہ ماہی کے لئے نئے ڈرامے کی طرح کاسٹ تو ہو سکتا ہے وہ بھی پھر ہیرو کے روپ میں ولن وگرنہ اس میک اپ کی تبدیلی سے حالات قطعی طور پر نہیں بدلیں گے۔ ماضی میں اس نظام کا میک اپ بدل بدل کر حالات بدلنے کا کئی بار کامیابی سے جھانسہ دیا جا چکا ہے۔ مگر اب ایسا ممکن نہیں کیونکہ عوام میں اب برداشت کی ہمت باقی نہیں اور ایسی صورت میں شعور خودبخود ہی آجاتا ہے۔

اب ایک لوٹ مار کا اور ذریعہ ملاحظہ فرمایئے۔ دنیا کی کوئی بھی زندہ قوم ایسی نہیں جس کے پاس پرائس کنٹرول ایکٹ (قیمتوں کو کنٹرول میں رکھنے کا قانون) اور کوالٹی

کنٹرول ایکٹ (معیار اشیاء کو کنٹرول میں رکھنے کا قانون نہ ہو یعنی کہ دو نمبر۔ تین نمبر اور چار نمبر اشیاء کا قلع قمع) مگر ہماری قوم شاید واحد قوم ہے جس میں اگر یہ قوانین ہیں بھی تو پتہ نہیں کہاں ہیں۔ یہ سوال اس لئے بار بار ذہن میں ابھرتا ہے کہ وفاقی بجٹ' چاروں صوبائی بجٹ' آزاد کشمیر کا بجٹ' بڑے شہروں کی کارپوریشنوں کے بجٹ' ڈسٹرکٹ کونسلوں کے بجٹ اور کنٹونمنٹ بورڈز کے بجٹ۔ ان سب بجٹوں میں کھربوں روپے کا اکٹھا ہونے والا سرمایہ ہر سال براہ راست عوام کی جیب میں سے نکالا جاتا ہے۔ اور خرچ جس طرح ہوتا ہے وہ کافی حد تک آپ کے علم میں ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ :

۱۔ کارخانے دار جتنا ٹیکس دیتا ہے اور ٹیکس لینے والے محکموں کو رشوت دیتا ہے وہ سارے کا سارا (رشوت سمیت) کارخانے میں بننے والے مال کی قیمت میں شامل کر دیتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد تھوک کا بیوپاری بھی جب مال بیچتا ہے تو ادا کیا گیا ٹیکس اور محکمہ ہائے ٹیکس کو دی گئی رشوت مال کی قیمتوں میں شامل کر دیتا ہے۔

۳۔ اس کے بعد پرچون کا دوکاندار بھی دیا گیا ٹیکس اور رشوت مال کی قیمتوں میں شامل کر دیتا ہے۔

لہذا آپ اپنے گھر بار' اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیں تو آپ کے جو چیز بھی زیر استعمال ہے یا آپ کے عزیز و اقارب کے یا آپ کے ساتھیوں کے ان کی قیمتوں میں مذکورہ سارے ٹیکس اور رشوت بھی شامل ہیں۔ آپ کی آمدن میں یہ شراکت سود کی شراکت کے علاوہ ہے جس کی تفصیل اوپر دی جا چکی ہے۔

ان کے علاوہ جرائم وافر ہونے کی وجہ سے بعض دوکاندار یا بڑے بزنس مین یا کارخانہ دار جگا ٹیکس دیتے ہیں یا سول انتظامیہ کے افسران کے چھاپوں کے دوران جو جرمانے ادا کرتے ہیں وہ رقوم بھی اشیاء کی قیمتوں کی وساطت سے عوام کی جیب سے وصول کی جاتی ہیں۔ مال کی کوالٹی مزید کم کر دی جاتی ہے اور بھگتنا عوام کو پڑتا ہے؟

بعض سیاست دان جو بظاہر چھوٹے موٹے نیکی کے کاموں میں یا فلاح و بہبود کے

کاموں میں اس لئے مصروف نظر آتے ہیں تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے' ان کے پروردہ ہوتے ہیں ان کا کل خرچہ انتخابات سمیت یہی کاروباری برادری ادا کرتی ہے۔ جب کہ ایسے بکے ہوئے سیاست دانوں کا کام حکومت میں شامل ہو کر یا ساتھ مل کر ان کی اس لوٹ مار کو تحفظ دینا ہوتا ہے۔ یعنی کہ ٹیکس سے انہیں محفوظ رکھنا' گھٹیا کوالٹی کا مال بیچنے کا تحفظ دینا' ملاوٹ زدہ مال بیچنے میں تحفظ دینا' ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹنگ میں تحفظ دینا ہے۔ اس طرح انہیں جو کھربوں روپوں کی لوٹ مار کی آسانی میسر آتی ہے اس میں سے ایک آدھ کروڑ ان کی نظر کر دینا ان کے لئے مہنگا سودا نہیں ہوتا۔ خواتین و حضرات جب تک یہ نظام قائم ہے یہ لوٹ جاری رہے گی۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

انکم ٹیکس کی زیادتیوں کا شکار وہ سرکاری ملازمین ہیں (جو ان کے علاوہ بھی لٹتے ہیں) جن کی تنخواہیں ٹیکس کی زد میں آ جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے بارہ مہینے کام کرنے کے بعد اور انہیں ٹیکس کی کٹوتی کے بعد جو تنخواہ ملتی ہے وہ دس ماہ کی تنخواہ کے لگ بھگ رہ جاتی ہے اور یہ باقی ماندہ عارضی طور پر پیدا کردہ مہنگائی کی نذر ہو کر ان کی زندگیاں عبرت کا نمونہ بنا دیتی ہے۔ یہ حالت ہے افسران کی جو حلال کی کمائی پر قناعت کی سزا بھگتتے ہیں۔ ذرا نچلی سطح کے ملازمین کی حالت کے بارے میں سوچئے۔ مالی' بیلدار' چوکیدار' نائب قاصد' کلرک (مختلف درجوں کے) اور ان میں ترقی کر کے چھوٹے موٹے افسران کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگ زندہ درگور ہیں۔ مزدور' کسان' چھوٹے دوکاندار' پولیس' فوجی' نیم فوجی' اساتذہ' سیاسی عہدیدار' افسران اور اساتذہ شامل کر لیں تو ان کی تعداد کل آبادی کا ۹۹ فیصد سے کچھ زائد بنتی ہے۔ ان کی رہائش' خوراک' علاج معالجہ' بچوں کی تعلیم' قصہ پارینہ بنتے جا رہے ہیں (ان کے عزیز و اقارب' مرنا جینا' شادی بیاہ' خوشی غمی میں شمولیت اب ایک خواب ہیں)۔ حکمران اور سرمایہ دار تو ان انسانی رسومات کو قصہ پارینہ سمجھتے ہیں ہی کیونکہ ان کے نزدیک جو سرمایہ دار نہیں وہ انسان نہیں تاہم ان لٹیروں کے نزدیک ان لوگوں کا وجود جانوروں کی سی اہمیت بھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ان کے لئے جانور پھر دودھ' گوشت' انڈے' جوتے

اور جیکٹس بنوانے کے لئے ان کی کھالیں دیتے ہیں۔ غریب عوام انہیں کیا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کی بستیاں الگ' مسجدیں الگ' قبرستان الگ' زبان الگ' جہاں الگ' سکول و کالج الگ' سوچ الگ' نظام الگ' یہ لٹیرے اسی نظام کے بنائے ہوئے ہیں۔ اسی لئے اس نظام کی تبدیلی کے لئے کوشاں افراد کو یہ لٹیرے (جنہیں آپ بڑے لوگ سمجھتے ہیں) ساتھ ملا لیتے ہیں۔ یا ان کے خلاف سیکنڈل بنا کر انہیں ذلت و خواری کی گہرائی میں پھینکوا دیتے ہیں یا زیادہ ہی سخت جان ہو تو مروا دیتے ہیں۔ اور لوٹ مار کا کھیل بلا رکاوٹ جاری رکھتے ہیں۔

قبضہ گروپ' محکمہ مال کا نظم و نسق دیوانہ بنانے کے لئے دیوانی قوانین۔ کیا یہ مہذب معاشرہ کے خاصے ہیں۔ کیا حکمرانوں کو نظر نہیں آتے۔ اگر آتے ہیں تو ان کے مظالم سے عوام کو نجات کیوں نہیں دلواتے۔ خواتین و حضرات ذرا سوچیں برے سے برے اور غیر مہذب معاشرے میں بھی ملازم اپنے آقا کے لئے ملازم ہی ہوتا ہے۔ آپ پاکستان یعنی کہ اپنے پیارے وطن کے بارے میں سوچیں' یہاں سرکاری اہل کار و افسران جنہیں آپ کی جیب سے قائم کئے گئے بجٹ سے تنخواہ ملتی ہے ان کا رویہ آپ کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ آپ سوچ لیجئے' آپ اس جابرانہ' ظالمانہ' آمرانہ اور لوٹ مار کے محافظ نظام کے ساتھ مزید کب تک نباہ کر سکتے ہیں۔ ہم تنظیم الاخوان پاکستان اس لئے اس نظام کے خلاف اپنے امیر کے اعلان جہاد میں شامل ہو چکے ہیں۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں خدانخواستہ بقیہ ملک بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ اور یقین رکھئے کہ ہم کسی فرد' طبقے' جماعت یا فرقہ کے خلاف نہیں' ہم فقط اس ظاہری اور ننگی لوٹ مار کے خلاف ہیں اور اس کے سرپرست انگریزوں کے ترکے اس نظام کے خلاف ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ ان حالات میں ہماری نجات صرف اور صرف اسلام کے نفاذ میں ہے۔ اسلام کا نفاذ ممکن بھی ہے اور سب کے مفاد میں بھی۔ وگرنہ یہ کون سی جمہوریت ہے جس میں ان لٹیروں کے بنک بیلنس بڑھتے جا رہے ہیں۔ ان کے بیرونی دوروں' بیرونی اثاثوں' پلاٹوں' کوٹھیوں اور پلازوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور عوام کے لئے غربت' بے روزگاری' مہنگائی' جرائم میں نہ صرف اضافہ ہوتا جا رہا ہے بلکہ ان

کی دلدلوں میں دھنستے جا رہے ہیں۔

خواتین و حضرات جاگیرداروں کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بہت کچھ قوم کے علم میں ہے کہ انگریزوں نے انہیں جاگیریں کن کن خدمات کے صلے میں دیں۔ ان کے محفوظ حلقوں میں اکیسویں صدی میں ان کے ووٹر اور جانور میں کتنافرق ہے جب کہ ان کا کام ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی' گلبرگ لاہور' پشاور' کوئٹہ' صحت افزا مقامات اور اسلام آباد کے مہنگے بنگلوں میں اپنے مزارعوں کی خون پسینے کی کمائی پر عیش و عشرت سے وقت گزارنا ہے ورنہ آپ ذرا سوچیں۔ حکمران انکے خلاف' سیاسی جماعتیں انکے خلاف' علماء انکے خلاف' دانشور انکے خلاف' اسلام انکے خلاف' جمہوریت انکے خلاف' کمیونزم انکے خلاف' پھر بھی یہ نہ صرف قائم ہیں بلکہ (ان کے وجود سے قوم کو جو نقصانات پہنچ چکے ہیں ان کی تفصیل کے لئے ایک کتاب درکار ہے) پہلے سے بھی زیادہ مضبوط۔ ایوب خان اور بھٹو کی زرعی اصلاحات بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ اس مقصد کے لئے جو قوانین بنائے گئے وہ پراپیگنڈہ کی حد تک بڑے خوبصورت تھے۔ حسب روایت خوبصورت انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔ مگر انہی "اگرچہ" "مگرچہ" "چونکہ" "چنانچہ" "اندریں حالات" "لہٰذا" میں لپیٹ کر دونوں رہنماؤں نے جو نہری اور بارانی زمین کی حد رکھی وہ حیران کن بات یہ ہے کہ فی خاندان کے حساب سے رکھنے کی بجائے فی فرد رکھی۔ اور پھر ادھر دوسرے ناموں پر زمین کھسیانے کی نہ صرف روک تھام نہ کی بلکہ باغات اور بعض دوسرے مقاصد کے لئے خاصہ رقبہ ان کے پاس رہنے کی بھی اجازت پیدا کر دی اور ساتھ عوام سے ان خدمات کے صلہ میں تاحیات حکمرانی کے حقوق مانگے۔ اگر یہ جاگیریں ان تعلیمی اداروں کو واپس نہ کی گئیں جن سے انگریزوں سے چھینی تھیں تو بے روزگاری کے خاتمے کی امید پر پانی تو پھرے گا ہی ساتھ قوم کا مستقبل مزید تاریک ہونے کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔

آپ نے کبھی سوچا ہے۔ بجلی' سوئی گیس' پانی اور ٹیلی فون کالز کے بل کس طرح باقاعدگی سے عوام کو پہنچتے ہیں۔ زکوۃ کا محکمہ کیا سرکاری محکمہ نہیں۔ پھر زکوۃ کے

چیک باعزت طریقے سے غرباء' مساکین' یتیموں اور محتاجوں کے گھروں میں کیوں نہیں پہنچ سکتے۔ کتنے نوجوان بھرتی کرنے کی ضرورت ہو گی فی شہر اور کتنے بائیسکل۔ یتیموں' ناداروں' بیماروں' محتاجوں' بوڑھوں اور جوان بیواؤں کو دفاتروں کے چکر لگوانا ــــــ کہاں کا انصاف ہے۔ کس اخلاقی ضابطہ میں اس کی گنجائش ہے اور زکوۃ کے وصول کنندگان میں ناداروں میں کتنے پردہ نشین ہیں اور اس مد سے کتنی کاریں خریدی گئیں جو افسران کے زیر استعمال ہیں اور یہ فنڈ کہاں کہاں خرچ ہو رہا ہے۔

حضرات بجلی' سوئی گیس' فون' پانی کے کنکشن پہلے سہولیات زندگی تھیں۔ پھر ان کی مہربانیوں سے ضروریات زندگی بنیں اور چونکہ اب ہم بہت ترقی کر چکے ہیں لہذا عذاب زندگی بن چکی ہیں اور مزید بنتی جا رہی ہیں۔ یہ اس وقت تک بنتی رہیں گے جس وقت تک اس نظام کو آپ برداشت کرتے رہیں گے۔ کیا نصف صدی کا تجربہ کافی نہیں؟ کیا اس نظام کی وساطت سے مزید مہنگائی و جرائم آپ برداشت کر سکیں گے؟ خواتین و حضرات اب باقاعدہ لوگ نجی محفلوں میں سنجیدگی سے یہ اندازے لگاتے رہتے ہیں کہ انگریز کی غلامی بہتر تھی یا ان کالے انگریزوں کی۔ آج نظام جو وہی ہے۔ قوم تو تب آزاد ہوتی جب اس نظام کے شکنجے سے نکل پاتی۔ ذرا سوچئے یہ نظام وہ لوٹ مار میں مصروف جرائم پیشہ لوگ کیوں بدلتے جو اسلام کے آنے سے عملاً" پھانسی کے تختہ تک یا جیلوں میں پہنچ جاتے۔

ان کے ایک بزرگ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ عوام بھی کتنے بھولے ہیں وہ اسلام کی ان سے آس لگائے بیٹھے ہیں جنہیں علم ہے شریعت کے نفاذ کے بعد انہیں دس دس کنال کے بنگلوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ انشاء اللہ تاج کمپنیوں اور فنانس کمپنیوں کی لوٹ کا ان "اگرچہ" "مگرچہ" اور "چونکہ" "چنانچہ" "لہذا" والے قوانین کی بجائے اسلامی قوانین کی وساطت سے دنوں بلکہ گھنٹوں میں اس طرح فیصلہ ہو جائے گا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ اب ان اسلامی' شرعی' مصطفوی اور خدائی قوانین کو لاگو ہونے سے پہلے خوبصورت انگریزی میں لپٹی ہوئی فریب اور دھوکے پر مبنی تحریریں نہیں روک سکتیں۔ کتنے دکھ جھیلے قوم نے اس

انگریزی نظام کے ہاتھوں اڑھائی سو سال ایک جعل ساز' فراڈیا' نوسرباز' قبضہ گروپ کا گھناؤنا کردار علی الاعلان۔ عوام کی نظروں کے سامنے کسی فرد کو لوٹتا ہے تو آپ کا نظام لٹے پٹے مظلوم کو انصاف مہیا کرنے کی بجائے انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہی دو سو سال انگریز نے کیا اور بڑے سکون سے اور محفوظ طریقے سے لوٹ میں مصروف رہا اور قانون انصاف دینے کی بجائے انصاف کے تقاضے پورے کرتا رہا۔ ہمارا خیال ہے اب مغربی انصاف کے تقاضوں کی بجائے عوام کو صرف اور صرف انصاف کی ضرورت ہے۔ پنڈرل مون ایک انگریز سول سرونٹ جس نے بعد میں ہندوستان (ہمارے والے پنجاب میں) عدالت کے اعلیٰ افسر کے طور پر بھی کام کیا۔ اپنی کتاب "اجنبی حکمران" میں یوں رقمطراز ہے۔ "اگر کوئی عام پڑھا لکھا ہندوستانی بھی چاہتا کہ کسی مقدمے کی عدالت میں خود پیروی کرتا تو کامیابی محال تھی..... شہادت کے قواعد و ضوابط اتنے پیچیدہ اور طویل تھے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ عدالت کی کارروائی ایسی زبان میں ہے جس سے فریق ناواقف تھے ..... عدالتیں کیا تھیں اک بہت بڑا ڈھکوسلا تھیں جن میں پولیس' گواہ' وکیل اور جج سب مل کر تماشہ دکھاتے تھے اور من گھڑت شہادت کا ہیر پھیر کرتے تھے "وکیلوں کا طاقتور طبقہ اس کا پشت پناہ تھا۔"

وہ اس کے اگلے صفحے پر لکھتا ہے کہ "وہ کبھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ جس شخص کو سزا دی گئی ہے وہ واقعی مجرم ہے۔ ہو سکتا ہے۔ جو کچھ شہادت اس کے خلاف فراہم کی گئی وہ سب کی سب جھوٹی ہو کیونکہ پولیس جھوٹے گواہ کھڑے کرنے اور جھوٹی گواہی بنانے سے دریغ نہیں کرتی۔"

مصنف نے اس کے ساتھی انگریز کے دریافت کرنے پر کہ حکومت نے جو فوجداری کمیٹی بنائی اس کا کیا بنا پر درج ذیل جواب دیا (آج کل کمیشن بنتے ہیں)

"ایک بہت ہی سینئر افسر اس کے چیئرمین تھے انہوں نے چھوٹتے ہی کہہ دیا کہ ان کی مجسٹریٹی کے زمانے میں صرف ایک واقعہ ان کے علم میں آیا تھا جس میں پولیس نے جھوٹی شہادت پیش کی تھی۔ ایسی مثالیں شاذ و نادر ہی ہیں۔ "جی ہاں شاذ و نادر

ہی۔" پولیس کے دو افسران نے ہاں میں ہاں ملائی جو وہاں موجود تھے۔ اب بھلا کون ان کے خلاف منہ کھولتا۔ بحث ختم ہو گئی۔ کمیٹی نے غالباً" یہ سفارش کی ہے کہ مجسٹریٹ سیاہ کوٹ پہن کر اجلاس کیا کریں" اس نے ایک انگریز ساتھی مسٹر مٹکاف کی مثال دی ہے۔ جس نے ۱۸۰۱ء سے لے کر ۱۸۳۸ء تک اپنے ۳۷ سالہ دور ملازمت میں ایک لاکھ پونڈ پس انداز کئے۔ (آج کے دور میں اس دور کے ایک لاکھ پونڈ کم از کم ایک کروڑ پونڈ کے لگ بھگ مالیت کے برابر ہیں لہذا اس ایک انگریز نے جو رقم لوٹی آج پاکستانی روپوں میں ۸۰ اسی کروڑ روپے کے لگ بھگ بنتی ہے) آج بھی پاکستان میں تقریباً" وہی قانون ہے۔ تقریباً" وہی سول سروس اور وہی نظام۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس انگریز پنڈرل مون آئی سی ایس نے استعفیٰ دیا ہی ان مظالم اور زیادتیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر تھا۔ ہمارے لوٹ مار کرنے والوں سے تو وہ انگریز باضمیر نکلا۔

آزادی کی پچاس سالہ تقریبات کے سلسلہ میں بھی ان کی نگاہ انتخاب ملکہ الزبتھ ثانی پر ہی پڑی۔ جن کا استقبال اس کے بعض غلام ابن غلام رہنماؤں نے یہ کہہ کر کیا کہ ہم تمہارے آج بھی غلام ہیں۔ بلکہ اس سے پہلے لیڈی ڈیانا کو لاہور کے گورنر ہاؤس میں ڈنر دینے کے لئے جو بارہ دری بنائی گئی اس پر اس غریب قوم کا پینتیس لاکھ روپیہ لگا دیا جس کے بیماروں کو دوائیں میسر نہیں اور بھوکوں کو پیٹ بھر کھانا—— ان کے آباؤ اجداد انگریزوں کو کیا کیا سپلائی کرتے تھے ان کی تفصیل میں جانا تو دور کی بات ہے۔ ان کے تصور سے ہی بندہ غیرت اور شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ مگر غیرت شرط ہے۔ لارڈ کلائیو جسے ان کے آباؤ اجداد نے لارڈ بننے میں مدد دی" انگلستان سے جب آیا تو وہاں مختلف جرائم میں پولیس کو مطلوب تھا اور تھا بھی لندن کے ریڈ لائٹ ایریا کی پیدائش۔ نیز اس کے ہاتھوں میر جعفر نے جس سراج الدولہ کو شکست دلوانے کے لئے سراج الدولہ کی فوج جنگل میں چھپا دی اس کی فوج میں ادنیٰ عہدیدار بھرتی ہونے کا بھی اہل نہ تھا۔ یہ ۱۷۵۷ء کا واقعہ ہے پھر ۱۸۵۷ء میں اسی طرح کے ایک غدار نے جنگ آزادی کے دوران بطل حریت جنرل بخت خاں کے اسلحہ خانے کو دہلی میں آگ لگا دی۔ جس کی وجہ سے اسے انگریز کے خلاف محاذ ختم کرنا پڑا۔ پھر اس

نے کوشش کی کہ بہادر شاہ ظفر کو لے کر بھاگ جائے ایک تو بادشاہ شکست کی ذلت سے بچ جائے گا دوسرے اس کے نام پر دوبارہ فوج اکٹھی کر کے انگریزوں سے دو دو ہاتھ کرے گا۔ یہاں مرزا الٰہی بخش آڑے آگیا۔ پھر یہاں بھی انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی طرح مسلمانوں کی بیویاں بہو بیٹیاں فوجی کیمپوں میں پہنچا دیں۔ جس سے بچنے کے لئے مسلمان عورتوں نے اتنی خود کشیاں کیں کہ دہلی کے کنویں ان کی لاشوں سے اٹ گئے۔ جو خودکشی نہ کر سکیں انہیں میدان میں ان کے بھائیوں بیٹوں اور باپوں کے سامنے کرنل اونیل نے سب کو کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔ ان عفت مآب پاک دامن بیبیوں کو جن کی ذرا برابر بے پردگی بھی تصور سے باہر تھی۔ آپ سوچیں گے کیا قصور تھا ان کا؟ حضرات ان کا قصور تھا جو قومیں غداروں کو طاقتور بننے دیتی ہیں ان کے کنکریٹ کے قلعے بھی ریت کے گھروندوں سے کمزور ہوتے ہیں اور ان کی دنیا میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔ یہاں تو ایک نہیں پورا نظام غدار ہے۔

پھر ۱۹۵۷ء دیکھئے۔ پاکستان کا پہلا صدر میجر جنرل اسکندر مرزا غدار ابن غدار ابن غدار ابن غدار۔ اس کے کرتوت کا جائزہ لیجئے تو آپ کو ۱۹۷۱ء کے سانحہ ڈھاکہ کی آسانی سے سمجھ آ جائے گی۔ یہ اسی میر جعفر کی پانچویں پشت میں سے تھا جسے علامہ اقبال نے

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ دین و ننگ قوم و ننگ وطن

کہا۔ جس نے اپنے آپ کو شکست اپنی فوج کے ہاتھوں دلوا کر اپنے ہاتھوں سے بنگال کا خزانہ انگریزوں کے حکم پر ان میں تقسیم کیا۔ یہ شخص جب تخت نشین ہوا تو اس غدار کی غداری کے باوجود اس کی تخت نشینی کے وقت مسلمان بے بس تھا۔ کیونکہ اس دور میں بھی یہی نظام تھا۔ بنگال ہارنے کے بعد بھی مسلمان سنبھل جاتے تو انہیں قربانیاں تو دینی پڑتیں مگر اتنی نہیں جتنی انہیں ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی ہارنے کے بعد دینی پڑیں۔ مسلمانوں کی عزت رہی نہ ان کی بہو بیٹیوں بیویوں کی۔ مسلمانوں کو انگریز آگ کے الاؤ جلا کر باندھ کر ان پر پھینک کر بے بسی سے تڑپ تڑپ کر مرنے کا نظارہ کرنے کے لئے اردگرد بیٹھ کر شراب پیتے۔ جہاں یہ ممکن نہ ہوتا مسلمانوں کو اذیتیں دے کر

مارنے کے لئے درختوں کو پھانسیوں کے طور پر استعمال کرتے۔ توپوں کے آگے باندھ کر توپیں داغتے۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ان گنت قربانیاں اسی لئے دیں کہ ہم اس نظام کی لعنت سے نجات حاصل کر سکیں۔ مگر ہم تو اتنا بھی نہ کر سکے کہ جاگیرداری نظام ہی ختم کر دیتے۔ جاگیردار جنہیں انگریز ان کی خدمات اور مسلمانوں سے غداری کے صلہ میں معاشرے میں اونچا مقام دے گئے ان میں اکثر رنڈیوں کی اولادیں ہیں۔ کیونکہ ان جاگیرداروں کے انگریزوں کے علاوہ مجرے وغیرہ کروانے کی وجہ سے اور رقص و سرور کی محفلیں منعقد کروانے کے شوقین ہونے کی وجہ سے رنڈیوں سے بھی گہرے مراسم ہوتے تھے۔ (حال ہی میں اس بازار سے ایک صف اول کی ادکارہ نے ایک نواب کی بیٹی ہونے کا دعویٰ کیا ہے) لہٰذا ان کی اولادیں جو ہیرا منڈیوں میں موجود بیویوں اور داشتاؤں سے ہوئیں وہ انہی جیسے دوسرے بدقماشوں کی داشتائیں بن کر رہ گئیں یا زیادہ سے زیادہ سفینہ بن کر زندگی گزارنے پر پابند تھیں۔ تاہم جو ان کے محلات تک پہنچ گئیں ان کی اولادیں اسمبلیوں تک جا پہنچیں۔ ان لوگوں نے نہ صرف اپنی جاگیروں پر بسنے والے انسانوں کو جانوروں سے بدتر زندگیاں بسر کرنے پر مجبور کیا بلکہ جرائم پیشہ لوگوں کو تحفظ فراہم کیا۔ پولیس کو ان تک پہنچنے سے روکا۔ اسی لئے امیر تنظیم الاخوان پاکستان انگریزوں کو عتاب خداوندی سے تعبیر فرماتے ہیں۔ آپ یہ بھی علی الاعلان فرما چکے ہیں کہ اس نظام کی نظام اسلام سے تبدیلی ایک اٹل حقیقت ہے۔ تنظیم الاخوان کے لاکھوں افراد کو آپ کی اس پیشین گوئی کا اسی طرح یقین ہے جس طرح آپ کی سابقہ پیشین گوئیاں حرف بحرف سچ ثابت ہو چکی ہیں۔

حضرات تنظیم الاخوان پاکستان کسی کی مخالف نہیں صرف اس غلامانہ نظام کی مخالف ہے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف گذشتہ اڑھائی صدیوں سے مخلوق خدا پر خاص طور پر مسلمانوں پر عذاب کی طرح مسلط ہے۔ کیا آپ کے علم میں نہیں کہ اس کے پیدا کردہ ڈاکوؤں سے کوئی بھی محفوظ نہیں نہ عام شہری محفوظ ہے نہ پولیس۔ کاروباری طبقہ تو ویسے ہی سب سے زیادہ غیر محفوظ ہے مگر ان کی دیدہ دلیری

ملاحظہ فرمایئے کہ پہلے یہ فوجیوں کے گھروں کی طرف رخ کرتے ہوئے ڈرتے تھے اب فوجی بھی ان سے محفوظ نہیں۔ کیا آپ کے علم میں نہیں کہ گلبرگ لاہور میں ایک کرنل صاحب کی مزاحمت پر کس طرح ساری رات ڈاکوؤں نے ان کے گھر پر گزاری اور کس طرح انہیں لوٹا اور بے عزت کیا اور کس طرح ۱۹۹۸ء میں راولپنڈی میں ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کو رسیوں سے باندھ کر ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ کس طرح ایک حاضر سروس فوجی حوالدار (جن کا تعلق ہزارہ سے ہے) کی بیوی کو ہی لوگ اٹھا کر جنگل میں لے گئے اور تین یوم تک بربریت کا نشانہ بنایا (جولائی ۱۹۹۸ء) وزیر آباد کا کیس بھی یقیناً آپ کو یاد ہو گا۔ جہاں ڈاکوؤں نے دو نوبیاہتا بچیوں کو جن کے خاوند دونوں بھائی فوج میں سپاہی تھے ساری رات ان کی ساس اور سسر کے سامنے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور انہی کے گھر صحن میں نصب نلکے پر ننگے بیٹھ کر نہاتے رہے۔ ان فوجیوں کی ماں بین کر کر کے اپنے بیٹوں کو واپس بلاتی رہی۔ دامن کوہ میں ایک نوجوان کپتان کو جو اپنی بیوی کے ہمراہ سیر کے لئے وہاں گیا ہوا تھا کس طرح قتل کیا۔ (یہ محض نمونے کے طور پر چند واقعات لکھے ہیں) جس قوم کے سپاہی یا ان کی فیملی محفوظ نہ ہو ان سے ہم سرحدوں کی حفاظت کی توقع کیسے کر سکتے ہیں اور جس نظام کی وجہ سے مجاہدوں کی مائیں' بیٹیاں' بیویاں اور بہنیں ڈاکوؤں سے محفوظ نہ ہوں کیا ہم ان سے ایسے نظام کی حفاظت کی توقع کر سکتے ہیں؟

آیئے جناب امیر تنظیم الاخوان پاکستان کی اس نظام کی تبدیلی کی پیشین گوئی اور کوششوں کو تاریخ کی روشنی میں دیکھئے۔ دراصل جو قومیں ایسے نظام کے تحت زندگیاں بسر کر رہی ہوں جو انتشار' بدنظمی' جرائم' لوٹ مار اور عدم تحفظ کی شکار ہوں۔ ایسی قوم میں اس قسم کی صورت حال زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتی کیونکہ ایسی معاشرتی بدنظمی اور بے راہ روی خداوند باری تعالیٰ کو قطعی طور پر پسند نہیں۔ پوری دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایسی قوم پر خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ کوئی دوسری قوم مسلط کر دی جس نے اسے ڈسپلن کے تحت کر دیا یا دوسری صورت میں خداوند باری تعالیٰ نے اپنا کوئی مقرب بندہ بھیج کر اس کے نظام میں تبدیلی پیدا کر دی اور یوں ڈسپلن پیدا

کر کے اسے بدنظمی' لاقانونیت اور انتشار سے نجات دلا دی۔ حضرات تنظیم الاخوان کے لاکھوں حامیوں کا خیال ہے کہ ہمارے پیارے وطن میں اب دوسری صورت پیدا ہو چکی ہے۔

آخر میں آپ سے دردمندانہ اپیل ہے اور وہ بھی اللہ اور رسول ﷺ کے اس نظام کے نام پر جو ہر سچے پاکستانی کا خواب ہے کہ موجودہ نظام کی وساطت سے لوٹ مار میں مصروف اس کے گماشتوں سے محتاط رہیں جو کسی نہ کسی طرح اس لوٹ کے نظام اور اسے قائم رکھنے والوں کے حامی ہیں اور مددگار بھی۔ اس ضمن میں ہر اچھی تجویز' ہر اچھی بات اور ہر اچھی تحریک پر یا ان کے حامیوں پر الزامات اور اعتراضات چسپاں کر کے نیکی کی آواز یعنی دینی نظام کی آواز کو دبانے میں کامیاب ہو جاتے رہے اور قوم کی بدقسمتی سے انہی لوگوں نے پھر گھناؤنے عزائم کی تکمیل کے لئے بدی اور برائی کے علم بردار اس نظام کو نیکی اور اچھائی کے جعلی لبادے پہنا کر عبداللہ بن ابی کی پیروی کا عملی ثبوت مہیا کیا کرتے ہیں جس میں انہوں نے وقتی طور پر کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ انہیں ہم یقین سے اطلاع دے رہے ہیں کہ ان کے دن اب گنے جا چکے ہیں۔ ہم آپ سے اس لئے بھی محتاط رہنے کی اپیل کرتے ہیں تاکہ ماضی کی طرح تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ کے لئے قربانیاں تو اللہ کے نیک بندے دیں مگر فائدہ یہودی و کفار اٹھائیں والی صورت پھر پیدا نہ ہو جائے۔ ان معترضین سے صرف اتنا پوچھئے کہ جس نظام میں قوم کی ضروریات زندگی ملک کے حکمران گذشتہ طویل عرصے سے روزانہ سینکڑوں ٹرکوں میں لاد کر بارڈر پار کروا کر ان کی آمدن شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر جاتے رہے' یہ اس وقت کہاں تھے جب عوام پر دوہری زیادتی کی جاتی رہی کہ دوسرے ممالک کی ناقص گندم' چینی اور آلو قوم کی گردن پر قرض لاد کر اسے ان قیمتوں پر مہیا کئے گئے جو قوم کی پہنچ سے باہر تھیں۔ قوم خوراک میں خودکفیل خاک ہو گی۔ اس نظام کے تحت قیامت تک ایسا ممکن نہیں۔

جس نظام میں خوراک کی بے شمار اشیاء دو نمبر سے تین نمبر بلکہ چار نمبر تک پہنچ جاتی ہوں اور مریضوں کو دوائیں تک جعلی میسر ہوں اور قوم یہاں تک بے بس ہو

کہ پنجاب جیسے آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبے کا گورنر بھی جعلی دوائیں کھا کھا کر مر جائے وہاں عوام کی کیا حیثیت ہوگی۔ خواتین و حضرات جو نظام ایک معمولی سے بدقماش رشوت خور اہل کار کے ہاتھوں میں بے بس ہو وہ آپ کو تحفظ کہاں سے میسر کر سکے گا اور حقوق العباد (خدا کے بندوں کو) اس سے کیسے مل سکیں گے۔ سیاست دانوں کے بیانات' تقریروں اور وعدوں کے باوجود حالات برے سے برے ہوتے جا رہے ہیں۔ اب کیوں نہ کمر ہمت باندھ کر اس نظام سے نجات حاصل کر لیں جو ان تمام خرابیوں' برائیوں اور فساد کی جڑ ہے۔ اے اللہ کے بندو آپ کے پاس لٹنے کے لئے اب باقی رہ ہی کیا گیا ہے۔ اگر ہے بھی تو اس نظام کی موجودگی میں اسے مزید لٹنے سے کون روک سکتا ہے۔ آپ کو یقیناً علم ہے کہ یہ شعر قرآن حکیم کی آیت کا حرف بحرف ترجمہ ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اللہ تعالیٰ ہمارا اسی طرح حامی و ناصر رہے جس طرح ماضی میں اس کے راستوں پر چلنے والوں کی مدد فرمائی اور ہمیں دین کے عملی نفاذ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

امیر تنظیم الاخوان پاکستان حضرت امیر محمد اکرم اعوان کے فرمودات

آپ فرماتے ہیں۔

۱۔ تنظیم الاخوان کی نظر نہ اقتدار کی کرسی پر ہے نہ اسمبلیوں کی نشستوں پر' اس کا ہر فرد نفاذ اسلام کی خاطر جان و مال کی قربانی بڑی معمولی قربانی سمجھتا ہے۔

۲۔ ہمارا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں نہ ہی ہمیں کسی سے عناد ہے۔ ہم پاکستان کے موجودہ نظام کے دشمن ہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کا دشمن ہے۔

۳۔ تنظیم الاخوان میں صرف وہی شامل ہوں اور حمایت بھی وہی کریں جنہیں قربانی لینے کا نہیں قربانی دینے کا ڈھنگ آتا ہو اور جذبہ بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ

یہ نہ ممبران سے چندہ اکٹھا کرتی ہے نہ عوام سے نہ سرمایہ داروں سے اور نہ ہی اسلام کی خدمت کے نام پر حکمرانوں سے مال بٹورتی ہے۔

۴- تنظیم الاخوان کا صرف اور صرف مقصد عملی طور پر نفاذ اسلام ہے۔

۵- ہم پاکستان کو قطعی طور پر مقصد نہیں سمجھتے۔ بلکہ حصول مقصد کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہ مقصد نظریہ پاکستان نیز پاکستان کا مقصد کیا لا الہ الا اللہ سب ایک چیز کے مختلف نام ہیں یعنی کہ اسلام کا عملی طور پر نفاذ۔

۶- ہم انشاء اللہ قوم کو وہ تعلیمی نظام دیں گے جس میں موجودہ نظام تعلیم سے بہتر انسان پیدا ہوں گے۔ ہم غیر ملکی یونیورسٹیوں سے الحاق نہیں رکھیں گے۔ یوں امتحانی فیسوں کے نام پر قوم کے کروڑوں پونڈ اور ڈالر بچائیں گے جو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی سود کی قسطیں دینے کی استطاعت نہیں رکھتی۔ ان غیر ملکی یونیورسٹیوں سے الحاق رکھنے والے ادارے جو نظریہ پاکستان کی بجائے نظریہ امریکہ یا نظریہ انگلستان کے ماننے والے پیدا کر رہے ہیں۔ جو او لیول اور اے لیول کو ہی انسانیت کی معراج سمجھتے ہیں۔ ان اداروں کے بوجھ سے نجات دلا دی جائے گی۔ ہم سائنس، انجینئرنگ، طب اور سماجی علوم کی ان سے بہتر تعلیم کا بندوبست کریں گے۔ انشاء اللہ۔

آخر میں خداوند باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ

"اے خداوند باری تعالیٰ ہم سے باقی پاکستان واپس لینے کی بجائے اس میں دین اسلام کے نفاذ کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔"

☆☆☆